

جعی اشرافیہ

راہول گاندھی کی عمر 52 برس ہے۔ ہندوستان کے سب سے مضبوط سیاسی گھرانے کی بدولت اول عمری ہی سے ہر ایک کی نظروں میں تھا۔ دادی وزیر اعظم والدوزیر اعظم اور پھر حدود جہ فعال کا نگر لیں پارٹی۔ ان تمام عناصر نے اس شخص کی سوچ پر عجیب و غریب طریقے سے اثر کیا۔ ایک تو یہ سوچا کہ موروثی سیاست کو ختم ہونا چاہیے۔ چنانچہ آج تک اس نے شادی نہیں کی۔ دوسرا فیصلہ کیا کہ وہ انڈیا کے کمزور طبقوں کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ لہذا غریب اور مظلوم لوگوں کی دادری کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں ہندوستان کے مسلمان سرفہرست تھے۔ نریندر مودی اور حواریوں نے راہول گاندھی کی سیاسی زندگی عذاب بنا دی۔ ہر لحاظ سے مذاق اڑایا گیا۔ کپڑوں سے لے کر غیر ملکی والدہ کا بھی ٹھٹھا اڑایا گیا۔ نریندر مودی کے حد درجہ تعصباً نے راہول گاندھی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ مگر اس کا رد عمل حیران کن تھا۔ فیصلہ کیا کہ پورے ملک کا پیدل دورہ کرے گا۔ فقید المثال عوامی رابطہ شروع کرے گا۔ اس فیصلہ کا بھی نریندر مودی نے بہت مذاق اڑایا۔ کہا کہ راہول ایک نرم و نازک انسان ہے۔ وہ تو ایک دن بھی پیدل نہیں چل سکتا۔ مگر ہندوستان کے متعصب ترین وزیر اعظم کی ساری باتیں ڈھیر ہو گئیں۔ ستمبر 2022 سے راہول نے مادھاونا شہر سے اپنی پیدل یاترہ کا آغاز کیا۔ اس کو بھارت جو دو یاترہ کا نام دیا گیا۔ آج کی تاریخ تک راہول تین ہزار دو سو اٹھارہ کلو میٹر پیدل چل چکا ہے۔ پہلے ایک دو دن اس کے ساتھ بہت کم لوگ تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ہر طبقہ فکر کے افراد اس میں شامل ہو گئے۔ عام لوگ سیاست دان، فلمی ستارے، معدود افراد بلکہ ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کے ساتھ نکل پڑے۔ یہ عوامی رابطہ کامو؟ ثرتین طریقہ تھا۔ مارچ آج بھی جاری ہے۔ راہول کے پیروں میں چھالے پڑھے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ اس کی تکلیف کا تعلق عام لوگوں کے مصائب جانے کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔ نریندر مودی کے خلاف آج تک کا نگر لیں کا سب سے مضبوط ترین رد عمل ہے۔ ساتھ ساتھ عام لوگوں کی تکلیف جانے کا سب سے بہترین طریقہ۔ راستے میں راہول چھوٹے چھوٹے بچوں کو کندھے پر بٹھایتا ہے۔ ہر ایک سے ہاتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ بزرگ لوگوں کے ساتھ کندھے سے کندھے جوڑ کر چلتا ہے۔ اس یاترہ کا اصل مقصد انڈیا کے سیکولر سیاسی خاندان کے مستقبل کو عام لوگوں کے ساتھ جوڑنا ہے۔ ان کی طرح رہنا ہے۔ انھی کی طرح سفر کرنا ہے اور انھیں کی طرح ان کے غم کو محسوس کرنا ہے۔

اپنے ملک میں سیاسی سرباہان کی طرف دیکھتا ہوں تو عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ ہمارے مستقبل کو سنواریں گے؟ ان کا عوام اور عام مسائل سے کسی قسم کا رابطہ یا واسطہ نہیں ہے۔ عام لوگوں کو تو رہنے دیجیے وہ تو خیر صرف سانس لیتے ہوئے پلاسٹک کے شناختی کارڈ ہیں۔ ملک کے متوسط بلکہ صاحب حیثیت طبقہ کا بھی ہمارے سیاسی لیڈروں سے کوئی عملی تعلق نہیں ہے۔ ان گنت مثالیں ہیں۔ زرداری صاحب یا ان کے صاحبزادے سفر کے لیے ہمیشہ قیمتی ترین پرائیویٹ جیٹ استعمال کرتے ہیں۔ یہی حال آل شریف کا ہے۔ خان صاحب بھی سفر کرنے کے لیے حکومتی ہیلی کا پڑیا جیٹ استعمال کرتے ہیں۔ سوچ کر بتائیے کہ عوام کا کتنے فیصد طبقہ پرائیویٹ جہازوں میں سفر کرنے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔ اتنی؟ سودہ حال بلکہ پریش آمدورفت ان کے وہم و گمان تک میں نہیں آسکتی۔ جو سیاست دان، عام جہاز میں سفر کرنا پسند نہیں فرماتے، ان کا عام انسان سے عملی رابطہ کیا خاک ہوگا۔ صاحبان! صرف ایک مذاق ہے جو ہم سات دہائیوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ مزاج، تو می آزار کا باعث بن چکا ہے۔ اور ہاں! کسی سیاسی جماعت کے اہم ترین رکن کی بھی یہ ہمت نہیں کہ اپنے پارٹی سربراہ کی خدمت میں عرض کر سکے کہ حضور آپ کا عوام سے کیا تعلق ہے؟ حقیقی عوام کی آپ تک رسائی کتنی ہے؟ جناب، کوئی بھی اپنے سیاسی سربراہ سے کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ ہاں۔ خوشامد میراث پن میں اکثریت ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک گر سکتے ہیں۔ سفر کو بھی رہنے دیجیے۔ ان کے کپڑے، گھٹیاں، جوتے، ٹائیاں اور دیگر زیب تناشیاء ل ملاحظہ فرمائیے۔ لاکھوں روپے کے بر اندھسوٹ، محیر العقول قیمتی جو تے اور گھٹیاں ان کا ذاتی شعار ہے۔ یہ عام آدمی سے متضاد طریقے سے جیتے ہیں۔ خود بتائیے۔ مارکس اینڈ اپسینر سے کم تو ظالم، کسی سوٹ کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ ہاں صرف خان صاحب ہیں جو کپڑوں کی حد تک سادگی پر عمل کر رہے ہیں۔ مگر ان کا باقی رہن سہن ہرگز ہرگز سادہ نہیں ہے۔ کھانے پینے کی طرف آئیے۔ عام آدمی کی دسترس سے تو خراب برائلر مرغی بھی نکل بچی ہے۔ مگر یہ تام لوگ organic اشیاء ل استعمال کرتے ہیں۔ دلی مرنگی کے علاوہ کسی شے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ قیمتی ترین FoodSea ان کے زیر استعمال ہر وقت رہتی ہے۔ کھانا بھی آر گینک زیتون کے تیل میں پکتا ہے۔ مجھے سمجھائیے کہ جب ہمارے مقتدر طبقے کا رہن سہن، لباس اور سفر تک عوام سے مختلف بلکہ متضاد ہے۔ تو پھر ان کے شعور کی سطح عوامی تکالیف کے بارے میں میں کیا ہوگی۔ دراصل ان کی اکثریت ہمارا مذاق اڑاتی ہے۔ عوام کی غلطی یہ ہے کہ ان پر اپنے مصائب کو کم کرنے کے لیے بے جا تکیہ کرتے ہیں۔ جانتے تو بجھتے ہوئے بھی ان کو ووٹ ڈالتے ہیں۔ غلط امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ اور پھر تھوڑے سے عرصے میں زندہ باد مردہ باد کے نظرے لگا لگا کر بے دم ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت کو یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کے تمام مسائل اشرافیہ کی وجہ سے ہیں۔ یہ صرف اور صرف تھوڑا سا سچ ہے۔ اشرافیہ تو ہر ملک اور سوسائٹی میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ کیا برصغیر میں کوئی ایسا دور تھا جس میں اشرافیہ کا وجود نہ ہو۔ مگر اصل اشرافیہ اور جعلی اشرافیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ملک کے ابتدائی سالوں میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں۔ جن میں حقیقی اشرافیہ نے اپنے ذاتی وسائل سے ملک کی بھرپور خدمت کی ہے۔ پاکستان کے شروع میں مالی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ سرکاری ملازمین کی تمام تھوڑاں، نواب آف بہاولپور کی جانب سے ادا کی جاتی تھیں۔ راجہ صاحب آف محمود آباد رہیں آدمی تھے۔ ان کے قلعے آج بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ مگر سب کچھ چھوڑ کر راجہ صاحب مالی بدها کی صورت میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ ایک جگہ تو یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اپنا کھانا بھی خود بنانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کیونکہ ملازم رکھنے کی مالی استطاعت بھی کم ہو گئی تھی۔ اسی طرح، لیاقت علی خان بذات خود کرنا ل کے نواب تھے۔ جب لندن تعلیم حاصل کرنے گئے تو والدین نے ذاتی خدمت گار ساتھ بھجوائے تھے۔ مگر پاکستان میں آکر ان کی خوشحالی میں بہت کم آپچی تھی۔ سمجھیں ہماری اصل اشرافیہ نے ملکی وسائل پر بوجھ بنتا بھی بھی گوارہ نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے ملک کو نواز نے کی کوشش ہی کی ہے۔ سیاسی اکابرین تو ایک طرف، مقامی سطح کے ضلعی سیاست دان بھی اپنی گرد سے کام سے آنے والوں کا انتظام کرتے تھے۔ یہ لوگ بسوں میں سفر کرنے میں کوئی عاری نہیں سمجھتے تھے۔ مگر یہ تمام معاملات 1985 کے بعد کمل طور پر تبدیل ہو گئے۔ جزیل ضیاء ل الحق نے ایک جعلی اشرافیہ کو پرواں چڑھایا۔ جس کا مقصد ہی ریاستی وسائل پر قبضہ کر کے عیش و عشرت کرنا تھا۔ یہ اشرافیہ آج بھی پورے پاکستان پر حکومت کر رہی ہے۔ کسی اہم ترین مقتدر شخص کو پرکھ لیجیے۔ اس کا یہ اس کے خاندان کا جادوئی عروج، جزیل ضیاء کی حکمرانی سے منسلک ہوگا۔ اس اشرافیہ نے اب تمام ملکی وسائل پر نہ صرف قبضہ کر لیا ہے بلکہ اپنے اتنے حواری بھی پیدا کر لیے ہیں جو بذات خود اب حقیقی منفی نظام بن چکے ہیں۔ اور ہر سیاسی رہنماؤں کی ضرورت ہے۔ لہذا ایک لحاظ سے تمام ملکی سیاست دان انھی کے مرہون منت ہو چکے ہیں۔ اس ابتری کو موجودہ معروضی حالات میں ختم کرنا ممکن ہے۔ آنے والے دنوں میں ہمارا ملک کس مزید خرابی میں جاتا ہے اس کا اندازہ لگانا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔ غریب اب بربادی کی انتہا تک پہنچ جائے گا۔ کسی قسم کا سیاسی چوران ان کے مصائب کو کم نہیں کر سکتا۔ دراصل ہمارے پورے نظام میں بہت کم ایسے معتبر لوگ موجود ہیں جن کا ہاتھ لوگوں کی بھی پر ہو۔ جو غریب اور عام آدمی کے درد کو اصل میں محسوس کر سکیں۔

جعلی اشرافیہ تو بہر حال کوئی نیک کام نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ کوئی نکوئی معاملہ گھڑ کر اصل مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹا ضرور سکتی ہے۔ اس کے پیروں میں راہول گاندھی جتنے چھالے بھی نہیں ہیں۔ جن سے انھیں چلنے میں تکلیف ہو اور غریب کا درد محسوس ہو پائے۔ سندھ میں وزیر خارجہ نے جس طرح بھوکے نگے چوں کو تصویر میں استعمال کیا ہے۔ وہ صرف ایک عکس ہے کہ یہ غریب ہمارے جسے نہیں ہیں۔ مگر اس جعلی اشرافیہ کو ختم کرنے کا کوئی کارگر نہیں تھا۔ الحال تو موجود نہیں ہے۔